خیابان خزاں ۲۰۲۳ء

"پرمیشر سنگھ" اور ہجرت کی نفسیات (تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر محمد خرم یاسین، لیکچرر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدرِ شعبہ، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

ABSTRACT

Ahmad Nadeem Qasmi, a luminary in Urdu literature, displayed unparalleled versatility as a writer in both prose and poetry. His short stories intricately wove together real-life experiences, blending socio-political, economic, religious, and psychological dimensions. The partition of the Indian subcontinent served as a poignant source for thematic material, with "Parmesher Singh" exemplifying this. In "Parmesher Singh," the narrative revolves around Parmesher Singh and his family, migrants forced by the partition, coping with the profound loss of their son. Amidst the violence against Muslim migrants, Parmesher encounters Akhtar, a boy of his son's age. A poignant bond forms between them, with Parmesher treating Akhtar as a surrogate for his lost child. Attempting to reshape Akhtar's religious identity, Parmesher imparts love and care, but Akhtar remains devoted to his roots. The article explores the psychological intricacies of migrants, parents dealing with the loss of their children, and children navigating the absence of their parents through a detailed analysis of "Parmesher Singh." Embedded in the context of the partition, the article illuminates the psychological complexities, human attitudes, motivations, internal and external conflicts, character duality, chaos, and collective social psychology within Qasmi's evocative storytelling.

Key Words: Ahmad Nadeem Qasmi, Migration, PTSD, Lahore, Amritsar, Dharamshala

احمد ندیم قاسمی اردو ادب کے ہمہ جہت اور مشاق ادبا میں شامل رہے۔ وہ بیک وقت نہ صرف اچھے افسانہ نگار تھے بل کہ انھوں نے شاعری، تنقید، ادارت اور صحافت میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ ان کے افسانے زندگی کے ترجمان

اور حقیقت نگاری کی عمدہ روایت کا مظہر ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کو سولہ (۱۶) افسانوی مجموعے دیے جن میں چوپال، بگولے، طلوع و غروب، آنچل، آبلے، آس پاس، درو دیوار، سناٹا، بازارِ حیات، برگِ حنا، سیلاب و گرداب، گھر سے گھر تک، کپاس کا پھول، نیلا پتھر، کوہ پیما اور پت جھڑ شامل ہیں۔ جب کہ انھوں نے ''دھڑکنیں، رِم جھم، جلال و جمال، شعلۂ گل، دشتِ وفا، محیط، دوام، لوح و خاک کے عنوان سے شعری مجموعے تخلیق کیے۔ یوں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ احمد ندیم قاسمی کی ساری زندگی پرورشِ لوح و قلم ہی سے تعبیر رہی۔

احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں زندگی کے تلخ و شیریں حقائق سے مواد کشید کیا اور ادب کے سانچے میں ڈھالا۔ ان کے افسانے جہاں ایک جانب دیہاتی معاشرت کے نمائندگی کرتے ہیں، وہیں ان میں مابعد جدیدیت ایسے جدید دنیا کے مسائل، ہجرت کے غم و مصائب، انسانی اقدار کا بحران، روشن روایات کی پامالی، فکرِ معاش سے جنم لیتی نفسیاتی شکست و ریخت اور جذباتی کشمکش وغیرہ بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کے بیش تر افسانوں کا مادہ انسان دوستی سے پھوٹتا ہے اور لاشعوری تعلق امن، رواداری اور عدل و انصاف سے جڑتا ہے۔ ان کا ایک ایسا ہی افسانہ "پرمیشر سنگھ" ہے جو ہجرت سے جڑے گہرے غم و اندوہ، تشخص کی تلاش، انسان دوستی، مذہب اور معاشرے کی گہری وابستگی کو ہدفِ تنقید بناتا ہے۔ یہ افسانہ جس کا تعلق برصغیر کی تقسیم سے ہے، اس حوالے سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں بعد از تقسیم کے مسائل کو جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر انسانی نفسیاتی سطح پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے تقسیم اور اس کے مصائب پر اور بھی افسانے تخلیق کیے ہیں جن میں "نیا فرہاد"، "اندمال"، :"کفن دفن"، "ارتقا"، "تسکین"، "فساد"، "میں انسان ہوں" اور "جب بادل امڈ آئے" شامل ہیں۔

"پرمیشر سنگھ" کا پلاٹ سادہ ہے اور اہم کرداروں میں پرمیشر سنگھ، اس کی بیگم بنتو، بیٹی امر کور اور مسلمان بچہ اختر شامل ہیں۔ تمام کردار شدید ذہنی اضطراب، الجھن اور کرداری دوہریت کا شکار ہیں۔ تمام تر نفسیاتی الجھنیں چوں کہ ہجرت سے منسلک ہیں اس لیے اس افسانے کے کرداروں کے رویے نفسیات کی رو سے پوسٹ ٹرامیٹک اسٹریس ڈس آرڈر (PTSD) کے تحت سمجھے جا سکتے ہیں جس میں ذہنی صحت کے مسائل جن میں تناؤ (ٹینشن) دباؤ (ڈپریشن)، غیر ضروری حساسیت، چڑچڑا پن، بدلہ لینے کے شدید جذبات، غم اور سوگ، ثقافتی شناخت کا بحران یا تشخص کے مسائل اور رویوں کی تبدیلی کا انسلاک کسی ناگوار یا صدماتی واقعے کا تجربہ کرنے یا اسے دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

پر میشر سنگھ پاکستان سے ہجرت کر کے بھارتی پہنچنے والے ان بدنصیب مہاجرین میں سے ایک ہے جس کا پیارا بیٹا کرتار سنگھ ہجرت کی بھگ دڑ میں بچھڑ چکا ہے جب کہ اختر ان بدنصیب بچوں میں سے ایک ہے جس کے والدین ہجرت کے ہنگاموں میں اس سے بچھڑ چکے ہیں۔ افسانے کا آغاز ہجرت کے خونی مناظر سے ہوتا ہے۔ تتلیوں کا پیچھا کرتا اختر نہ جانے کب پاکستان جانے والے مہاجر قافلے سے بچھڑ چکا ہے جس پر اس کی والدہ ماتم کناں ہے اور سارا منظر آہوں ،سسکیوں میں رچا بسا ہے۔ اس غیر متوقع صورتِ حال پر اختر کی والدہ کا ناتواں احتجاج ملاحظہ کیجیے جس میں اس کے لاشعور میں اپنی جان بچانے کا خوف، اس کے فطری مادری جذبہ محبت (Motherhood) پر غالب آ جاتا ہے۔ والدین عموماً بچوں پر جان نچھاور کرتے ہیں اور اس ضمن میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتے لیکن اختر کی والدہ کو جس صورتِ حال کا شکار دکھایا گیا ہے اس میں انتہا درجے کی بے بسی، خوف اور زندگی بچانے کی امید ہے اس لیے وہ عمومی رویے سے متضاد عمل کرتی ہے۔ وہ موہوم سی امید سے بھی بندھی ہے کہ شاید اختر جلد ہی اسے آن ملے:

> "اختر کی ماں اس تسلی کی لاٹھی تھامے پاکستان کی طرف رینگتی چلی آئی تھی۔ آ ہی رہا ہو گا" وہ سوچتی "کوئی تتلی پکڑنے نکل گیا ہو گا اور پھر ماں کو نہ پا کر رویا ہو گا اور پھر۔ پھر اب کہیں آ ہی رہا ہو گا۔ سمجھ دار ہے پانچ سال سے تو کچھ اوپر ہو چلا ہے۔ آ جائے گا وہاں پاکستان میں ذرا ٹھکانے سے بیٹھوں گی تو ڈھونڈ لوں گی۔ "(1)

بدلے کی آگ میں جلتے پر میشر سنگھ کو ساتھیوں سمیت مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ کھسوٹ اور قتل و غار گری میں مصروف دکھایا گیا ہے۔ ایسے ہی بلوے کے دوران اختر پر میشر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے قبضے میں آ جاتا ہے۔ اس نئی صورتِ حال میں پانچ سالہ اختر پر خوف، بے چینی اور غصے کی ملی جلی کیفیات (Anxiety) حملہ آور ہوتی ہیں جس کے ردِ عمل میں وہ خود کو پہلے سے زیادہ پر اعتماد ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نفسیات میں یہ کیفیت "کاؤنٹر فوبیا" (counter phobia) کہلاتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی دفاعی طریقہ کار ہے جہاں ایک فرد خود کو ایسے حالات کے مقابل لاتا ہے یا اپنے خوف کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے اضطراب میں کمی واقع ہو سکے۔ ملاحظہ کیجیے:

''وہ جب روتا چلاتا ایک طرف بھاگا جارہا تھا تو سکھوں نے اسے گھیر لیا تھا اور اختر نے طیش میں آ کر کہا تھا ''میں نعرۂ تکبیر ماروں گا'' اور یہ کہہ کر سہم گیا تھا۔''(2)

پر میشر سنگھ کے ساتھی اختر کو قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن اسے اچانک اختر کی صورت میں اپنے بیٹے "کرتار اسنگھ "ہی کی معصومیت اور بھولپن کی جھلک نظر آتی ہے اور وہ دوستوں کو اس کے قتل سے روک دیتا ہے۔ پر میشر سنگھ کا یہ نفسیاتی مظہر فلیش بلب میموری "Flashbulb Memory" کے تحت سمجھا جاسکتا ہے جس میں ایک شخص غیر متوقع طور پر ماضی کے کسی واقعے کو یاد کرتا ہے، جو اکثر ایک اہم یا تکلیف دہ تجربے سے جڑا ہوتا ہے اور اس سے اس کا عہد موجود میں طرز عمل متاثر ہوتا ہے۔ چناں چہ جب پر میشر سنگھ کے ساتھی اسے قتل کے ارادے سے بڑھتے ہیں اور ایک ساتھی کرپان نکال کر اپنے تئیں مذہبی فریضے کی ادائیگی کی کوشش کرتا ہے تو ایسے میں پر میشر سنگھ میں انسانی ہمدردی اور محبت جو کہ نفسیات میں انسان دوستی (Altruism) کہلاتی ہے، کا جذبہ جاگ اٹھتا ہے اور وہ ساتھیوں سے کہتا ہے:

"مارو نہیں یارو، پر میشر سنگھ کی آواز میں پکار تھی۔ اسے مارو نہیں۔ اتنا سا تو ہے اور اسے بھی تو اسی واہگورو جی نے پیدا کیا ہے جس نے تمھیں اور تمھارے بچوں کو پیدا کیا ہے۔"(3)

اس پر اختر سے سوال کیا جاتا ہے کہ اسے کس نے پیدا کیا تو وہ کہتا ہے کہ پتہ نہیں، ماں تو کہتی تھی کہ وہ اسے بھوسے کے ڈھیر سے ملا تھا۔ اس پر سکھ قہقہے لگاتے ہیں لیکن پر میشر سنگھ ایک ذہنی کیفیت سے فوراً دوسری میں چلا جاتا ہے اور اچانک رونے لگتا ہے۔ اسے کرتارا یاد آتا ہے۔

"سب سکھ ہنسنے لگے مگر پر میشر سنگھ بچوں کی طرح بلبلا کر کچھ یوں رویا کہ دوسرے سکھ بھونچکا سے رہ گئے اور پر میشر سنگھ رونی آواز میں جیسے بین کرنے لگا۔۔۔ ''سب بچے ایک سے ہوتے ہیں یارو۔ میرا کرتارا بھی تو یہی کہتا تھا وہ بھی تو اس کی ماں کو بھوسے کی کوٹھری میں پڑا ملا تھا۔"(4)

پر میشر سنگھ کا یہ نفسیاتی ردِ عمل اس کے مخفی غم کے اظہار یے (Expressive crying) کے مظہر کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جو عین فطری ہے لیکن افسانے میں اس کا موقع محل یکسر مختلف دکھایا گیا ہے۔ یہاں پر میشر سنگھ کو تشخص کی تلاش ہے۔ وہ جو کر رہا ہے، وہ نہایت کریہہ اور غیر انسانی ہے لیکن اس کی انسان دوستی جلد ہی اس پر غالب آجاتی ہے۔ گویا یہ اس کے لاشعور کی شعور پر برتری کی علامت ہے۔

اس کے پدری محبت کے جذبے (Fatherhood) کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے جس میں اس کے لاشعور میں بسی کرتارے کی یادیں اسے کرداری دوہریت (Duality) سے دوچار کر دیتی ہیں۔ وہ لمحہ موجود ہی میں یک دم دوسری شخصیت کا روپ لے لیتا ہے اور حال سے یکسر بے گانہ ہو جاتا ہے۔ گویا اختر کا ملنا، کرتارے ہی کا ملنا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''پر میشر نے اختر کو یوں جھپٹ کر اٹھالیا کہ اس کی پگڑی کھل گئی اور کیسوں کی لٹیں لٹکنے لگیں۔ اس نے اختر کو پاگلوں کی طرح چوما۔ اسے اپنے سینے سے بھینچا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور مسکرا مسکرا کر کچھ ایسی باتیں سوچنے لگا جنھوں نے اس کے چہرے کو چمکا دیا پھر اس نے پلٹ کر دوسرے سکھوں کی طرف دیکھا۔ اچانک وہ اختر کو نیچے اتار کر سکھوں کی طرف لپکا، مگر ان کے پاس سے گزر کر دور تک بھاگا چلا گیا۔ جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں بندروں کی طرح کودتا اور چھپتا رہا اور اس کے کیس اس کی لپک جھپٹ کا ساتھ دیتے رہے۔ پھر وہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں رکھے بھاگتا ہوا واپس آیا۔''(5)

پر میشر کا یک دم اختر کے ساتھ گھل مل جانا اس کی چھپی انسانیت کو ظاہر کرتا ہے اور نفسیات میں "نفسیاتی تبدیلی" کہلاتا ہے۔ پر میشر سنگھ اس کے ساتھ مل کر کھیلتا ہے، سینے سے لگاتا ہے، آنسو بہاتا ہے۔ اس کا رویہ نفسیاتی حوالے سے کرتارے کے غم کا کیتھارسز (Catharsis) کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔

پر میشر سنگھ جو لاہور سے اجڑ اکر امر تسر آیا ہے، خود کو اس ماحول کا عادی بنانے میں مشکل محسوس کر تا ہے۔ اسے جو متبادل مکان دیا گیا ہے وہاں پہلے ایک مسلمان خاندان رہ رہا تھا جو اجڑ کر نہ جانے کہاں گیا۔ اس مکان میں غیر ضروری حساسیت کی وجہ سے وہ سمعی فریب کاری (Auditory hallucinations) کا شکار ہو تا ہے اور کچھ ایسا سنتا ہے جو اس کے سوا اور کسی کو سنائی نہیں دیتا۔ اسے مکان میں متعدد بار قرآنِ مجید پڑھنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کے لیے اس مکان کے در و دیوار اور سارا ماحول نیا ہے جس میں وہ بنیادی طور پر اپنا انسلاک (اڈجسٹمنٹ) نہیں کر پا رہا۔ اس کی سمعی فریب کاری کا احوال ملاحظہ کیجیے:

> "وہ اپنی بیوی اور بیٹی سمیت جب اس چار دیواری میں داخل ہوا تھا تو ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا سی گئیں تھیں اور وہ بڑی پر اسرار سرگوشی میں بولا تھا۔" یہاں کوئی چیز قرآن پڑھ رہی ہے۔"(6)

پر میشر کا یہ ناموجود خوف جو ایک طرح سے اڈجسٹمنٹ فوبیا ہے، اس تک محدود نہیں رہتا بل کہ اس کی بیٹی تک بھی پہنچتا ہے۔ وہ خود تو کروٹیں بدل کر سو جاتا لیکن امر کور کو اس خوف سے نیند نہ آتی کہ کوئی غیر مرئی مخلوق اس کے ساتھ ہے۔ یہ تصور اس کے دماغ میں رفتہ رفتہ راسخ ہو جاتا ہے۔ وہ شدید فریبِ نظر (ہیلوسی نیشن) کا شکار ہو جاتی ہے:

> "اسے اندھیرے میں بہت سی پر چھائیاں ہر طرف بیٹھی قرآن پڑھتی نظر آتی اور پھر جب ذرا سی پو پھوٹتی تو وہ کانوں میں انگلیاں دے لیتی تھی۔(7)

اس کی اس نفسیاتی حالت در حقیقت اس واقعے سے جڑی دکھائی گئی ہے جس میں اس کی قریبی سہیلی پریم کور کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اور اسے قتل کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ اس واقعے نے اس کی نفسیات پر منفی اثرات مرتب کیے تھے۔

وہ معاشرہ جہاں مذہب کے نام پر قتل و غارت گری جاری ہو، وہاں دوسرے مذہب کے کسی شخص کی قبولیت خلافِ توقع ہے لیکن پر میشر سنگھ کی ذہنی حالت دیکھ کر اس کے ساتھی، اختر کو اس کے سپرد کر دیتے ہیں لیکن ان کے لاشعور میں اجتماعی معاشرتی نفسیات (Social Psychology) اس کے آڑے آتی ہے۔ عدم برداشت، مذہبی منافرت اور رواداری کے خاتمے کے بعد معاشروں کی ایسی صورتِ حال ہو جانا بعید از امکان نہیں ہوتا۔ اسی لیے سب سے

پہلے وہ ننھا بچہ جو ابھی مذہب اور سیاست کو سمجھنے سے قاصر ہے، اس پر سکھ مت تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پر میشر کے دوست اختر کو حوالے کرتے ہوئے ہدایات دیتے ہیں کہ اس کے بال (کیس) بڑھوالے تا کہ کسی کو اس کے بارے میں پتہ نہ چلے یا معاشرہ اس سے خائف دکھائی نہ دے۔ یہ ہی نہیں، اس معاشرے میں اس کی قبولیت کے لیے سکھ مت کا رہنما گرنتھی اختر کو سکھ بنانے کے سخت احکامات دیتا ہے اور یہ کہہ کر ڈرارا ہے کہ اگر اسے سکھ نہ بنایا گیا تو یہاں اسے اور اس کے خاندان کو نکال باہر کیا جائے گا۔

> "گرنتھی جی نے بڑے دبدبے سے کہا" کل سے یہ لڑکا خالصے کی سی پگڑی باندھے گا، کڑا پہنے گا، دھرم شالہ آئے گا اور اسے پرشاد کھلایا جائے گا۔ اس کے کیسوں کو قینچی نہیں چھوئے گی، چھوگئی تو کل ہی سے یہ گھر خالی کر دو۔"(8)

پر میشر سنگھ کی داخلی کیفیات، کرب سے دوچار ہیں اور وہ اختر کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہتا، اس کے دل میں ڈر ہے کہ اسی طرح کوئی کرتارے کے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔ اسے مسلمان بنا سکتا ہے لیکن معاشرتی بوجھ اس کی ارادے پر غالب آجاتا ہے اور گرنتھی کی دھمکی سے اس کا حوصلہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ بہر حال وہ اسے ظلم ہی سمجھتا ہے لیکن اس ظلم میں معاشرتی نفسیات کے بوجھ تلے خود بھی شریک ہو جاتا ہے۔

> "تم کتنے ظالم لوگ ہو یارو۔ اختر کو کرتارا بناتے ہو اور اگر ادھر کوئی کرتارے کو اختر بنالے تو؟ اسے ظالم ہی کہو گے نا۔ پھر اس کی آواز میں گرج آگئی۔ یہ لڑکا مسلمان ہی رہے گا۔"(9)

اختر اور پر میشر جو دونوں بے سہارا ہونے کی وجہ سے نفسیاتی رشتے میں بندھے ہیں، ان کے لیے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان کا یہ رشتہ پر میشر کی بیگم اور بیٹی قبول نہیں کرتی۔ اس کی بیگم اختر کو کرتارے کی جگہ دینے سے قاصر ہے۔ اس کی کرتارے سے مادری محبت کو نفسیاتی مظہر انسلاک (Attachment) کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ نفسیاتی سطح پر پر میشر سے زیادہ مضبوط ہے اس لیے ابتداً اختر کو کرتارا تسلیم نہیں کرتی۔ اختر کو گھر لانے پر وہ ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہے اور کرتارے کے غم میں اختر کو مار دینے تک کا ارادہ رکھتی ہے لیکن پر میشر ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اختر کی حفاظت کرتا ہے

اور رد عمل میں بیگم کو مار دینے کی بات کرتا ہے جس سے وہ کچھ ڈر جاتی ہے البتہ محلے میں شور مچا کر سب کو پر میشر کی حرکت سے آگاہ کرتی ہے۔

"کرتارے اور اختر کو ایک ہی واہگورو جی نے پیدا کیا ہے۔ سمجھیں؟" "نہیں" اب کے بیوی چیخ اٹھی۔ "میں نہیں سمجھی، نہ کچھ سمجھنا چاہتی ہوں، میں رات ہی رات جھٹکا کر ڈالوں گی اس کا۔ کاٹ کے پھینک دوں گی۔ اٹھا لایا ہے وہاں سے۔ لے جا اسے، پھینک دے باہر۔" "تمھیں نہ پھینک دوں باہر؟" اب کے پر میشر سنگھ بگڑ گیا۔ تمھارا نہ کر ڈالوں جھٹکا؟"(10)

محلے کے لوگ بھی اسے ہی سمجھاتے ہیں کہ پر میشر ایک مسلمان کو سکھ بنا کر نیک کام کر رہا ہے، یوں مذہب کے پیچھے انسانیت چھپ جاتی ہے اور اس کے عمل کو مذہب میں رنگ کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی اجتماعی نفسیات، اس کی بیگم کے دل میں ایک ہلکا سا نرم گوشہ تو پیدا کر دیتی ہے لیکن ایک ماں کا اپنے بچے کو کھو دینے کے بعد کسی دوسرے بچے کو قبول کر لینا بہر حال ایک مشکل امر ہے جس کا سامنا پر میشر کی بیگم اور بیٹی کو کرنا ہی پڑتا ہے۔

کچھ ہی عرصہ میں معصوم اختر کو دھرم شالہ بھیج کر سکھ بنانے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور اس کے سر پر بندھی پگڑی، ہاتھ کا کڑا، اور بڑھتے بالوں کی وجہ سے وہ کرتارے جیسا ہی دکھنے لگتا ہے۔ اس پر پر میشر کی بیگم، جو اختر کا جھٹکا کر دینے کی فکر میں تھی، اسے بھی پر میشر کی طرح اختر میں کرتارا نظر آنے لگتا ہے۔ اس کا فطری ممتا کا جذبہ بھڑک اٹھتا ہے اور وہ کرتارے کی یاد میں اختر کو محبت سے دیکھتی ہے۔ یوں اس کی شخصیت بھی دوہرے پن کا شکار ہوتے ہوئے انسانیت کے قریب آ جاتی ہے۔ وہ اس کے کپڑے دھوتی اور بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے روتی جاتی ہے۔ آنسو اس کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں:

"وہی کانوں کی لووں تک کس کر بندھی ہوئی پگڑی، وہی ہاتھ کا کڑا اور وہی کچھیرا۔ صرف جب وہ گھر میں آ کر پگڑی اتارتا تھا تو اس کے غیر سکھ ہونے کا راز کھلتا تھا لیکن اس کے بال دھڑا دھڑ بڑھ رہے تھے۔ پر میشر سنگھ کی بیوی

ان بالوں کو چھو کر بہت خوش ہوتی تھی۔ ذرا ادھر آ امر کورے! یہ دیکھ کیس بن رہے ہیں۔ پھر ایک دن جوڑا بنے گا۔ کنگھا لگے گا اور اس کا نام رکھا جائے گا کرتار سنگھ "(11)

گو کہ پر میشر اختر سے محبت کا اظہار کرتا ہے لیکن اتنی جلدی اختر نہ تو اسے باپ تسلیم کرتا ہے نہ ہی ہمدرد، اسے اپنے والدین تک پہنچنے کی جلدی ہے۔ نفسیاتی طور پر اس مظہر کو "Attachment Disruption کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جو کہ اس کی اندرونی شکست و ریخت، جذبات اور تجربات کا حاصل ہے۔ وہ اپنے سامنے سکھوں اور ہندوؤں کی قتل و غارت گری دیکھ چکا ہے اور دل ہی دل میں ان سے شدید خوف زدہ ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں پر اعتماد کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنہائی میں پر میشر کی صورت میں سہارے کے باوجود وہ اس کی جانب جلد راغب نہیں ہو پاتا۔ نتیجتاً پر میشر، جو شدید نفسیاتی کرب اور کشمکش سے گزر رہا ہے، وہ ایک بار پھر سے جذباتی سطح پر ناپختگی کا ثبوت دیتے ہوئے بلک بلک کر رونے لگتا ہے اور اختر کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے سمجھاتا ہے، تسلی دیتا ہے اور واپس اس کے والدین تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس پر اختر راضی ہو جاتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے پر میشر کے حوالے سے یوں نفسیاتی حقیقت نگاری کی ہے۔

" پر میشر سنگھ گھٹنوں کے بل اختر کے سامنے بیٹھ گیا۔ بچوں کی طرح یوں سسک سسک کر رونے لگا کہ اس کا نچلا ہونٹ بھی بچوں کی طرح لٹک آیا اور پھر بچوں کی سی روتی آواز میں بولا۔ "مجھے معاف کر دے اختر، مجھے تمھارے خدا کی قسم میں تمھارا دوست ہوں، تم اکیلے یہاں سے جاؤ گے تو تمھیں کوئی مار دے گا۔ پھر تمھاری ماں پاکستان سے آ کر مجھے مارے گی۔ میں خود جا کر تمھیں پاکستان چھوڑ آؤں گا۔ سنا؟ پھر وہاں اگر تمھیں ایک لڑکا مل جائے نا۔ کرتارا نام کا تو تم اسے ادھر گاؤں میں چھوڑ جانا۔ اچھا؟"(12)

کچھ ہی عرصے میں اختر اور پر میشر کے خاندان کے درمیان امن قائم ہو جاتا ہے لیکن نہ تو وہ کرتارے کو بھول پاتے ہیں اور نہ ہی اختر اپنے والدین کو۔ اختر کو شدید بخار آتا ہے اس پر بھی پر میشر اور اس کی بیگم دونوں اس کی خدمت

کرتے ہیں لیکن اختر نفسیاتی طور پر پر میشر ہی سے زیادہ جڑتا ہے۔ افسانے کا ایک نہایت جذباتی اور غیر متوقع منظر اختر اور قرآنِ مجید کی تلاوت کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ پر میشر کا خاندان اسلام سے سخت خائف دکھایا گیا ہے اور قرآنِ مجید کی تلاوت سن کر ان کی جان نکلتی ہے۔ اختر کو نیند نہ آنے کی وجہ سے وہ اندھیرے میں سورہ اخلاص کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے کہ پر میشر کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ ڈر کے مارے بیوی اور بیٹی کو بھی اٹھا دیتا ہے اور جب وہ چیخ مارتی ہے تو اختر کی بھی چیخ نکل جاتی ہے۔ ایک جانب شدید مذہبی منافرت ہے دوسری جانب پر میشر سنگھ پدری محبت میں اس قدر گرفتار ہو جاتا ہے کہ وہ ہر شے کو نظر انداز کر کے اختر کو تلاوت سے روکنے کے بجائے اس کی اجازت دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جب بھی نیند نہ آئے وہ تلاوت کر کے سو جایا کرے۔

> "بیوی نے جلدی سے چراغ جلا دیا اور امر کور کی کھاٹ پر بیٹھ کر وہ دونوں اختر کو یوں دیکھنے لگیں جیسے وہ ابھی دھواں بن کر دروازے کی جھریوں میں سے باہر اڑ جائے گا اور باہر سے ایک ڈراؤنی آواز آئے گی۔ "میں جن ہوں میں کل رات پھر آ کر قرآن پڑھوں گا۔ "کیا پڑھ رہے تھے بھلا؟" پر میشر سنگھ نے پوچھا۔ "پڑھوں؟" اختر نے پوچھا۔ "ہاں ہاں" پر میشر سنگھ نے بڑے شوق سے کہا۔ اور اختر قُل ہو اللہ اَحَد پڑھنے لگا۔ کُفواً اَحَد پر پہنچ کر اس نے اپنے گریبان میں چھو کی اور پھر پر میشر سنگھ کی طرف مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔ "تمھارے سینے میں بھی چھو کر دوں؟" "ہاں ہاں" پر میشر سنگھ نے گریبان کا بٹن کھول دیا اور اختر نے چھو کر دی۔"(13)

افسانے میں پر میشر کو ایک جگہ بہت خود غرض بھی دکھایا گیا ہے۔ جب فوجیوں کی گاڑی بچھڑنے والے بچوں کو لینے آتے ہیں تو وہ اختر کو چھپا دیتا ہے تاکہ وہ واپس نہ جائے۔ گاؤں میں اور بھی لوگ اس کا ساتھ دیتے ہیں اور فوجیوں کے جانے کے بعد مبارک باد دیتے ہیں لیکن پر میشر پھر سے پچھتاوا محسوس کرتا ہے۔ وہ انسانیت اور خود غرضی کے وسط میں کھڑا رہتا ہے اور اس کی خود غرضی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ اس کے دوہرے رویوں کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے:

"پر میشر سنگھ لاری کے آنے سے پہلے حواس باختہ ہو رہا تھا تو اب لاری کے جانے کے بعد لُٹا لُٹا سا لگ رہا تھا۔"(14)

لیکن یہ خود غرضی ایک پچھتاوا بن کر اس کے ضمیر پر اس قدر بھاری بوجھ ڈال دیتی ہے کہ وہ بالآخر شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہو کر اختر کو اس کے والدین کے پاس واپس بھیجنے کے لیے چل پڑتا ہے۔ فجر کی اذان کے وقت وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر سرحد کے پار دیکھتا ہے، اختر کو پیار کرتا ہے اور اسے دوسری جانب روانہ کر دیتا ہے۔ دوسری جانب فوجی اس کے سکھ حلیے کو دیکھ کر سوال جواب کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کے سر کی پگڑی کھل جاتی ہے اور کنگھا گر جاتا ہے۔ اختر کے چلانے پر پر میشر سنگھ اختر کی آواز کے تعاقب میں دوڑتا ہے تو فوجی اسے دشمن وطن سے سرحد میں داخل ہونے کی وجہ سے گولی مار دیتے ہیں جو اس کی ران میں لگتی ہے اور وہ افسوس ناک لہجے میں کہتا ہے:

"سپاہی جب ایک جگہ جا کر رُکے تو پر میشر سنگھ اپنی ران پر کس کر پٹی باندھ چکا تھا مگر خون اس کی پگڑی کی سیکڑوں پرتوں میں سے بھی پھوٹ آیا۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ "مجھے کیوں مارا تم نے، میں تو اختر کے کیس کاٹنا بھول گیا تھا؟ میں اختر کو اس کا دھرم واپس دینے آیا تھا یارو۔"(15)

یوں مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ افسانہ اختتام پذیر ہوتے ہوئے انسانی رویوں، ان کے محرکات، ان میں تبدیلی، داخل و خارج کی کشاکش، کرداری دوہریت و انتشار اور اجتماعی معاشرتی نفسیات ایسے مسائل، پیچیدگیوں اور کشمکش کو ہدف بناتے ہوئے بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے۔ یہ سوالات، لاجواب نہیں بل کہ احمد ندیم قاسمی نے بین السطور کامیابی سے ان کے جوابات بھی مہیا کر دیے ہیں جن تک بیدار مغز قارئین ہی پہنچ پاتے ہیں۔

حوالہ جات

1. احمد ندیم قاسمی، بازارِ حیات، لاہور: مکتبہ اساطیر، 1995، ص:7
2. ایضاً
3. ایضاً، ص:8
4. ایضاً

5. ایضاً، ص:9
6. احمد ندیم قاسمی، بازارِ حیات، لاہور: مکتبہ اساطیر، 1995، :10
7. ایضاً، ص:11
8. ایضاً، ص:15
9. ایضاً، ص:14
10. ایضاً، ص:13
11. احمد ندیم قاسمی، بازارِ حیات، لاہور: مکتبہ اساطیر، 1995، :16
12. ایضاً، ص:14
13. ایضاً، ص:19
14. ایضاً، ص:23
15. احمد ندیم قاسمی، بازارِ حیات، لاہور: مکتبہ اساطیر، 1995، :27

1. Ahmad Nadeem Qasmi, Bazaar-e-Hayat, Lahore: Maktaba-e-Asar, 1995, p. 7
2. Ibid.
3. Ibid., p. 8
4. Ibid.
5. Ibid., p. 9
6. Ibid., p. 10
7. Ibid., p. 11
8. Ibid., p. 15
9. Ibid., p. 14
10. Ibid., p. 13
11. Ibid., p. 16
12. Ibid., p. 14
13. Ibid., p. 19
14. Ibid., p. 23
15. Ibid., p. 27